© rasailojaraid.com

رشید احمد (جالندھری)

بنگلہ دیش کی عدالت کا ایک تاریخی فیصلہ

ادھر ایک عرصہ سے برصغیر کے مسلمان جن معاشرتی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں، ان میں ایک بڑا مسئلہ ازدواجی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ہمارے اہلِ علم کے شب و روز ایک مدت سے اسی پیچ و تاب میں گزر رہے ہیں اور جب کبھی اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے کوئی سنجیدہ کوشش کی گئی تو بہ قول علامہ اقبال مسلمانوں کی شدید قدامت پسندی اس کی راہ میں رکاوٹ بنی۔ چنانچہ یہ مسئلہ برابر الجھا رہا اور مسلم خواتین کو بندِ غم سے نجات نہ مل سکی۔ رائج الوقت ایک معاشرتی مسئلہ یہ ہے اگر کوئی آدمی غصے میں اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں تین طلاق دے دے تو پھر وہ اپنی بیوی سے رجوع نہیں کرسکتا۔ تا آنکہ بیوی کسی دوسرے آدمی سے عقد کرے اور پھر دوبارہ طلاق حاصل کر کے پہلے خاوند سے شادی کرے۔ چنانچہ اس کا ’آسان نسخہ‘ یہ بتایا گیا کہ بیوی ایک رات کے لیے دوسرے آدمی سے شادی کرے اور صبح دم اس سے طلاق لے کر پہلے خاوند کے عقد میں آ جائے۔ اس عمل کے خلاف جو ’حلالہ‘ کے نام سے مسلم معاشرے میں جاری ہے اور انسانی وقار کے لیے ایک سوال؟ سب سے پہلے چودھویں صدی میں ابن تیمیہ اور ابن قیم نے آواز اٹھائی اور کہا طلاقِ ثلاثہ کا رائج الوقت طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی عہد میں رائج نہیں تھا۔ ایک ہی وقت میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھیں[1]۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب طلاق کی وبا عام ہوئی، تو آپ نے اس وبا کو روکنے کے لیے اسے تعزیراً لاگو کیا تاکہ لوگ تین طلاق کی غیر شرعی حرکت سے بچیں۔ ابن قیم نے یہاں تک لکھا

---

[1] ابنِ قیم: زادالمعاد، (قاہرہ ۱۹۵۰ء)، ج ۴، ص ۵۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ حضرت عمرؓ کو اپنی وفات سے پہلے اس فیصلہ پر افسوس تھا[۱] یعنی اگر وہ زندہ رہتے تو اس فیصلے کو واپس لے لیتے۔ لیکن برصغیر میں جہاں مسلم فقہاء کی اکثریت حنفی مسلک سے تعلق رکھتی ہے، اس طلاق کو موثر مانتی ہے۔ جس کی وجہ سے 'حلالہ' کا مکروہ کاروبار برابر جاری رہا اور میاں بیوی کو جس ذہنی کرب سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس پر ہمارے قدامت پسند علماء کی اکثریت سوچنے کے لیے تیار نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اقبال کو اپنے چھٹے انگریزی لیکچر میں لکھنا پڑا: ''ہر آدمی جانتا ہے کہ پنجاب میں چند واقعات میں مسلم خواتین نے اپنے ناپسندیدہ شوہروں سے رہائی پانے کے لیے مجبوراً ارتداد کی راہ اختیار کی ہے... ہندوستانی مسلمانوں کی شدید قدامت پسندی کی وجہ سے ہندوستانی ججوں کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ قانون کی چند معیاری کتابوں (Standard Work) سے وابستہ رہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زندگی (لوگ) تو برابر حرکت میں ہے اور قانون ساکن'۔ طلاقِ ثلاثہ سے عورتوں کو جو دکھ اٹھانے پڑے، اس پر بعض علماء کو احساس ہوا۔ انہوں نے دوسرے فقہی مسلک پر عمل کرنے کا مشورہ دیا۔ مثلاً ایک دفعہ مولانا رشید احمد گنگوہی سے تین طلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ''تین طلاق اس صورت میں واقع ہوگئیں، سوائے حلالہ کے کوئی تدبیر اس کی نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ رشید احمد عفی اللہ عنہٗ۔ یہی بات دارالعلوم دیوبند کے مفتی اور مفتی کفایت اللہ مرحوم نے اپنے فتاویٰ میں لکھی۔ لیکن مولانا عبدالحئی لکھنوی مرحوم سے پوچھا گیا تو انہوں نے لکھا: 'اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہوں گی۔ اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہوگا۔ اگر بہ وقت ضرورت اس عورت کا علیحدہ ہونا اس سے دشوار ہو اور مفاسد زائدہ کا خطرہ ہو، (ایسی صورت میں) تقلید کسی اور امام کی اگر کرے گا تو کچھ مضائقہ نہیں[۲]۔''

اس فتویٰ سے پتہ چلتا ہے کہ حالات کی سنگینی نے علما کے جمود کو آہستہ آہستہ اپنی جگہ

---

[۱] ابنِ قیم: الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیہ: قاہرہ (۱۳۱۷ھ)، ص ۱۷ (ثم انہ ندم علی ذلک قبل موتہ کما ذکرہ الاسماعیلی فی مسند احمد)

[۲] فتاویٰ رشیدیہ، کراچی ۱۹۷۳ء، ص ۲۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھوڑنے کے لیے تیار کیا۔ برصغیر کے علمائے سلف بھی جو علمائے اہلِ حدیث کے نام سے جانے جاتے ہیں، اس طلاقِ ثلاثہ کو کتاب وسنت کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ ابوالکلام آزاد اور سیّد مودودی بھی طلاقِ ثلاثہ کو شرعی طلاق نہیں مانتے۔

غیر شرعی طلاق کے سلسلہ میں سیّد صاحب مرحوم اپنی کتاب حقوق الزوجین میں لکھتے ہیں: 'ہم نے اپنے دین کو آسان بنایا تھا۔ تم کو کیا حق تھا کہ اسے مشکل بناؤ؟ ہم نے تم کو قرآن اور محمد ﷺ کی پیروی کا حکم دیا تھا۔ تم پر کس نے فرض کیا کہ ان دونوں (قرآن وسنت) سے بڑھ کر اپنے اسلاف کی پیروی کرو؟ اور اپنے لیے انسانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کو کافی سمجھو۔ (قیامت کے روز) اس باز پرس کے جواب میں امید نہیں کہ کسی عالمِ دین کو کنز الاقائق اور ہدایہ اور عالم گیری کے مصنفین کے دامنوں میں پناہ مل سکے گی[۱]۔''

فقۂ جعفریہ نہ صرف اس طرح کی طلاقِ ثلاثہ کو نہیں مانتی بلکہ شادی کی طرح طلاق کے وقت بھی گواہوں کی گواہی کو لازمی قرار دیتی ہے۔ چنانچہ جوں جوں طلاقِ ثلاثہ کی موجودہ صورت اور اس سے پیدا ہونے والی معاشرتی خرابیوں کا احساس بڑھتا گیا، مسلم ممالک نے اس مسئلے میں فقۂ جعفریہ اور ابن تیمیہ کی رائے کو قبول کر لیا۔ مثلاً ۱۹۲۹ء[۲] میں مصر نے طلاقِ ثلاثہ کو ایک ہی طلاق قرار دیا۔ لیکن برصغیر میں طلاقِ ثلاثہ کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ بھی اٹھا کہ آیا

۱۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جب ۱۹۶۱ء میں عائلی قوانین کا اعلان ہوا اور ایک ہی وقت میں دی گئی طلاقِ ثلاثہ کو کتاب وسنت کے مطابق ایک ہی طلاق قرار دیا گیا تو سیّد صاحب مرحوم کے مجلّہ 'ترجمان القرآن' میں سیّد صاحب کے اس جاندار تبصرہ کے باوجود یہ کہا گیا کہ: ''مسلمانوں کے جو فرقے اپنی فقہ کی رُو سے اس طرح کی تین طلاق کو مغلظ (موثر) قرار دیتے ہیں، ان کے حق میں یہ طلاق مغلظ (غیر رجعی) ہی شمار ہوگی۔'' ترجمان القرآن، جولائی (۱۹۶۶ء) ص ۴۱، ۴۲

۲۔ محمد ابوزہرۃ: ابن تیمیہ، قاہرہ، ص ۴۳۵ (ط۔ اولیٰ)

ایک سابق شیخ الازہر شیخ محمود شلتوت نے لکھا کہ: ''میں اکثر مسائل میں شیعہ مذہب (فقہ) پر فتویٰ دیتا ہوں... مثلاً ایک ہی لفظ (ایک ہی دفعہ) سے دی گئی تین طلاقیں، جو سنی مذاہب (فقہ) میں اکثر واقع ہو جاتی ہیں۔ لیکن شیعہ (مسلک) میں یہ ایک ہی طلاق ہے۔ قانون کی نظر میں اس پر عمل ضروری ہے اور سنی شرعی عدالتوں کے فیصلے میں اہلِ سنت کے مذاہب (فقہ) پر فتویٰ دینے کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔'' (ملاحظہ ہو: الازھر، قاہرہ، فروری ۱۹۵۹ء) ضمیمہ ''آراء و احادیث لصاحب الفضیلۃ الاستاذ الاکبر الشیخ محمود شلتوت''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعی طور پر جائز ہے؟ اس مسئلے میں بھی علما نے اسے شرعی طور پر درست نہیں مانا، جس سے مسلم خواتین کی مشکلات میں اضافہ ہوا۔ حتیٰ کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے الحیلہ الناجزہ للحلیلہ العاجزہ کے نام سے ایک رسالہ بھی لکھا، جس میں یہ تجویز کیا گیا کہ ہر بستی یا شہر میں معزز اور اہلِ علم کی کمیٹی تشکیل دی جائے۔ جو ان مسائل پر سوچ بچار کر کے اپنی رائے دے۔ گویا اس کمیٹی کو جج کی حیثیت حاصل ہو۔ پھر ۱۹۲۷ء میں سر شاہ سلیمان کی صدارت میں علمائے کرام اور دانشوروں کی ایک کمیٹی بنی، جس میں سیّد سلیمان ندوی، مفتی کفایت اللہ، ڈاکٹر شفاعت احمد اور مفتی نعیم الدین مراد آبادی جیسے اصحاب موجود تھے۔ لیکن یہ کمیٹی بھی اس معمہ کو حل نہ کر سکی۔ سیّد سلیمان ندوی نے مئی ۱۹۴۷ء میں اس کارروائی کو معارف میں شائع بھی کر دیا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک فقہی جزئی کے جبر کے سامنے اہلِ دانش اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے کس حد تک بے بس تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ایک آدمی مغربی بنگال سے ڈھاکہ آ گیا لیکن نہ تو اپنی بیوی کو ڈھاکہ بلایا اور نہ ہی اس کے نان ونفقہ کی کوئی تدبیر کی۔ بالآخر بیوی کے والد نے اس صورتِ حال سے تنگ آ کر عدالت کی طرف رجوع کیا۔ جب عدالت نے اس نکاح کو فسخ کرنے کا فیصلہ دیا تو مقامی علما نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، جس پر بیوی کے والد نے مولانا ابوالکلام آزاد کو خط لکھا۔ مولانا نے جواب میں لکھا: عدالت کا فیصلہ شرعی طور پر درست ہے، تمہاری بیٹی دوسری شادی کر سکتی ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مولانا آزاد بھی ۱۹۱۶ء میں غیر مسلم جج کے فیصلے کو شرعی فیصلہ نہیں مانتے تھے۔ لیکن ۱۹۵۷ء میں انہوں نے اپنی رائے کو بدل لیا، اس لیے کہ اختلافِ وقت سے حکم بدل جاتا ہے اور مسائل کے حل میں مدد ملتی ہے۔ لیکن دوسرے علماء انفرادی طور پر برابر یہ فتویٰ دیتے رہے کہ طلاقِ ثلاثہ موثر ہیں۔ چنانچہ ایک ہی وقت میں پاکستانی معاشرے میں اسلامی قانون کی تین تعبیریں گردش کرتی رہیں، یعنی عائلی قوانین کے مطابق ایک طلاق، انفرادی سطح پر اکثر علمائے احناف اسے تین طلاق ہی قرار دیتے رہے اور سلفی یا اہلِ حدیث علماء اسے شرعی طلاق قرار نہیں دیتے، جس سے ژولیدگی فکر میں اضافہ ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور لوگ پریشانیوں کے سمندر میں برابر ڈبکیاں کھاتے رہے۔

ادھر کئی سال پہلے سندھ ہائی کورٹ کے شریعت بنچ میں ایک شخص نے اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس کی بھتیجی کے خاوند نے اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دی ہیں اور عدت بھی پوری کر چکی ہے۔ اب صحیح صورتِ حال کیا ہے؟ کیوں کہ حنفی علماء نے کہا ہے کہ تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں۔ لیکن ایک اہلِ حدیث عالم نے کہا ہے کہ یہ تین طلاقیں موثر نہیں ہیں۔ عائلی قوانین ۱۹۶۱ء میں یہ ایک ہی طلاق شمار ہوتی ہے۔ اس صورتِ حال میں عام آدمی کیا کرے؟[1]

طلاقِ ثلاثہ سے متعلق رائج الوقت عائلی قوانین ۱۹۶۱ء اور انفرادی فتوؤں کے درمیان یہ کشمکش جاری تھی کہ ہمیں اپنے ایک فاضل وکیل دوست سے پتہ چلا کہ ادھر چند ماہ قبل اسلام آباد میں شریعت بنچ نے ۱۹۶۱ء کے عائلی قوانین میں تین طلاق سے متعلق دفعہ کو منسوخ کر دیا ہے اور اب یہ تین طلاق ہی تصور کی جائیں گی۔ فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں درخواست دے دی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۶۱ء کے عائلی قوانین سرکاری سطح پر پہلی دانشمندانہ کوشش تھی، جو ہمارے معاشرتی مسائل کو حل کرنے کے لیے کی گئی۔ اگر شریعت کی متعدد فقہی تشریحات و تعبیرات میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا عمل جاری رہتا، تو آج ہم شریعت مقدسہ کے لیے۔ جو نام ہے عدل و انصاف اور سچائی وحق کا۔ رسوائی کا باعث نہ بنتے اور حدود آرڈیننس میں غلط طریقِ کار سے ۱۵ سو خواتین آج جیل میں نہ ہوتیں جو انصاف کی تلاش میں قانون کے پاس گئی تھیں۔ لیکن پہنچ گئیں جیل میں۔ چنانچہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ۱۹۶۱ء کے عائلی قوانین کو ناکام بنانے کے لیے جہاں مسلمانوں کی 'شدید قدامت پسندی' نے کردار ادا کیا، وہاں اس وقت کی حکومت سے سیاسی اختلاف نے بھی شعوری یا لاشعوری طور پر اپنا کردار ادا کیا۔

غرضیکہ طلاقِ ثلاثہ کے بارے میں ریاست کے قانون اور انفرادی فتوؤں میں جو

---

[1] روزنامہ مشرق، لاہور (۲۴ اکتوبر ۱۹۷۹ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعارض رہا ہے، اس سے لوگوں کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمارے علم میں ایسے کئی واقعات ہیں، جن میں ایک آدمی نے طیش میں آکر بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، جب ہوش آیا تو اسے ایک نئے فتنے کا سامنا کرنا پڑا، اور بعض علماء کے انفرادی فتوؤں سے مسئلہ الجھ کر رہ گیا۔ ہم سے پوچھا گیا تو ہم نے مشورہ دیا کہ ریاست کے 'عائلی قوانین' پر عمل کرو، جس کی تائید میں نہ صرف مسلم دنیا کے سرکاری قوانین بلکہ متعدد علمائے کرام کے فتاویٰ بھی موجود ہیں۔

ہمیں یہ پڑھ کر یقیناً مسرت ہوئی کہ بنگلہ دیش کی اعلیٰ عدالت نے اپنے ایک فیصلہ میں ریاستی عائلی قوانین کے خلاف علمائے کرام کے جاری کردہ فتوؤں کو غیرقانونی قرار دے دیا۔ جن کا تعلق ایک ہی وقت میں دی گئی طلاقِ ثلاثہ سے تھا کہ ایسی صورت میں بیوی کے لیے حلالہ کرانا ضروری ہے۔ یہ بات محتاجِ بیان نہیں کہ بنگلہ دیش میں، جو کل تک ہمارے ہی وطنِ عزیز کا ایک حصہ تھا، ۱۹۶۱ء کے عائلی قوانین نافذ ہیں۔ بنگلہ دیش کی عدالتِ عالیہ کا فیصلہ ایک تاریخی فیصلہ ہے، جس سے معاشرہ میں ژولیدگی فکر کو اور خاص طور پر رائج الوقت حلالہ کے مکروہ کاروبار کو ختم کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان کی عدالتِ عالیہ یا آنے والی اسمبلی اس اہم معاشرتی مسئلے کو سلجھانے اور ہماری بہنوں اور بیٹیوں کو طلاقِ ثلاثہ کے خوف ناک تصور سے نجات دلانے میں کوئی اسلامی انقلابی قدم اٹھا سکے گی۔

رشید احمد (جالندھری)

☆☆☆

© rasailojaraid.com